

ایک عنوان سے اسے شہرہ کے لئے

دو ہندئے کے ہیوٹے کا انتخاب



پہلی ہندی کہانی * چین لال نہال * اسلم شاہد

لالہ دور کا داس ایم اے ایل ایل بی بقول خود فی دہلی کے بہت نامور وکیل تھے۔ آپ میں سے جو حضرات لالہ جی سے ذاتی طور پر واقف نہیں ہیں وہ یقیناً ان کے اس دعوے سے محفوظ ہوں گے۔ اس لیے کہ لالہ جی کی ناموسی کا یہ عالم تھا کہ ان کا نام ٹیلی فون ڈائریکٹری تک میں موجود نہیں تھا، نہ انھوں نے کبھی کسی مقدمہ قتل میں قاتل کو چھانسی کے پھندے سے بچایا تھا اور نہ ہی کبھی کسی ملک گیر اسکینڈل میں کسی بڑی فرم کی طرف سے پیردی کی تھی۔ جتنی کہ ان کے قریبی واقف کاؤں کو لالہ جی کی علمی قابلیت تک پر شبہ تھا کیونکہ انھوں نے لالہ جی کو کبھی قانون کی کتابوں کا مطالعہ کرتے یا کسی مقدمے کی فائل چھانسنے دیکھا تھا لوگوں

میں ان کی بدکلامی اور بد مزاجی کے قصے عام تھے۔ بعض لوگوں کا تو یہ خیال تھا کہ وہ صرف اپنی کم علمی پر پردہ ڈالنے کی خاطر لوگوں سے خواہ مخواہ الجھ پڑتے تھے اور انھیں اپنی چرب زبانی سے مزعوب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

لالہ جی کو لوگوں کی آراء سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ دنیا سے بے پروا ہو کر اپنی دھن میں گن رہتے تھے۔ وہ قانون کے علاوہ بھی دنیا کے ہر موضوع پر بے تحاشا بولنے کی قدرت رکھتے تھے۔ تاریخ، فلسفہ، ادب، سیاسیات یہاں تک کہ جغرافیہ تک کو نہیں بچھتے تھے۔ وہ غصے کے اتنے تیز تھے کہ بسا اوقات منج سے بھی الجھ بیٹھتے اور اچھا خاصا بنا بنایا مقدمہ ہار جاتے۔ لوگ ان کے پاس مقدمات لانے سے ترانے لگے تھے۔ ان کی جگہ کوئی اور وکیل ہوتا تو اس بے کاری کے ہاتھوں ناقہ کشی پر مجبور ہو جاتا لیکن لالہ جی بڑی خوش حال اور ٹھاٹ باٹ کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی آمدنی کے قرائع و کالت تک محدود نہیں تھے۔ وہ کئی ایک زمینوں اور ایک عدستان دار کوٹھی کے مالک تھے۔ ان کی اولاد شہر کے اچھے تعلیمی اداروں میں پڑھتی تھی۔

میں لالہ جی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لیے کہ کچھ برس کے اُس طویل القامت اور بادشاہ شخصیت سے میرا خون کا رشتہ ہے۔ میں ان کا بیٹا تھا۔ میرے والدین یہی فسادات کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اور میں تیرہ برس کی عمر سے



لالہ جی کے ہاں مقیم تھا۔ میں نے اس دوران میں یہ بات دیکھی تھی کہ لالہ جی ہر معاملے میں اپنی شخصیت کا اثر ڈالنے کے عادی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں وہ مشورہ نہ دے سکتے ہوں۔ وہ ہر محفل میں ہیں... میں... میں... کی رٹ لگاتے رہتے تھے۔ مجھے وہ سخت ناپسند تھے۔ میری رائے ان کے بارے میں بہت خراب تھی مگر تمیزوں کی رائے کی اہمیت ہی کیا ہے پھر بھی بادلِ خواستہ میں انہی کے گھراور انہی کا دست نگر رہنے پر مجبور تھا۔

میرے انجمنی والدین بہت مال دار تھے۔ وہ ایک بڑی جائیداد کے مالک تھے اور ایک کثیر مستقل آمدنی رکھتے تھے۔ میرے والد ایک نہایت ماہر اور کامیاب عمارتی نقشہ نویس تھے۔ بلاشبہ انھوں نے بے شمار وہیہ پس ہندو کیا ہوگا لیکن چچا نے مجھے یہ یاد رکھا تھا کہ ہمارا گھر فساد کے ہنگاموں میں ٹٹ گیا تھا اور وہ بڑی مشکلوں سے میری جان بچانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ وہ میری مدد اور پرورش کی ایک بہت طویل کہانی سناتے تھے جسے یہاں دہرا ناضول ہوگا۔ بہر حال یوں سمجھ لیجیے کہ لالہ جی نہ ہوتے تو شاید میں آج اس دنیا میں نہ ہوتا۔ میں نے ایک گھر بار شاز تاپنے والدین کی دولت اور جائیداد کا ذکر کیا مگر انھوں نے مجھے ڈانٹا ٹپٹ کر خاموش کر دیا، بلکہ انہی پر احسان بتایا کہ انھوں نے میری دیکھ بھال اور پرورش کا خرچ برداشت کیا ہے۔

شاید مجھے ان کا احسان مند ہونا چاہیے تھا لیکن اس کا کیا کیا لگائے کہ میں نے ایک سے زائد موقعوں پر مختلف لوگوں سے یہی سنا ہے کہ لالہ جی میرے والد کی جمع شدہ نقد رقم اور جائیداد وغیرہ پر چپکے سے قابض ہو گئے تھے۔ وہ لوگ لالہ جی کا نام شہر کے چند ایسے لوگوں کے ناموں کے ساتھ لے کر آتے تھے جنہیں تقسیم ملک نے اتوں رات کچھ پی بنا دیا تھا۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ جب میں لوگوں کی باتیں سنتا اور میرا اپنی خستہ حالی پر نظر کرتا تو میرا خون کھول جاتا تھا۔ اس گھر میں مجھ سے نوکروں کا سلسلو کیا جاتا تھا۔ مجھے سینہ دگے ہوئے کپڑے پہننے کے لیے اور روکھی سوکھی کھانے کے لیے دی جاتی تھی۔ مجھے نوکروں کی طرح دھتکارا جاتا تھا اور مہمانوں کی موجودگی میں میری بے عزتی کی جاتی تھی۔ آپ لالہ جی کی تنگ نظری کا اندازہ اسی بات سے لگائیں کہ انھوں نے میری تعلیم کا سلسلہ منقطع رکھا اور لوگوں پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میں کند ذہن ہوں۔ انھوں نے مجھے چار دیواری میں مقید رکھ کے قانون کی چند اصطلاحات رٹا دی تھیں اور دفتری کام کاج سکھا کر مجھ سے اپنے ہی دفتر میں کرک کی حیثیت سے کام لینے لگے تھے۔ وہاں کام ہی کتنا ہوتا تھا، وکالت تو ملتی نہیں تھی، ناقص اوقات میں مجھے گھر کے کام سے دوڑایا جاتا تھا۔

یہ کہانی چمن لال نہال نے لکھی ہے۔ سیکوٹ ۱۹۶۲ء۔ اُن کا مقام اور سن پیدائش ہے۔ چمن لال نہال نے دہلی اور پھر ناٹکھم یونیورسٹی انگلستان میں تعلیم حاصل کی ایک اخوان کا ایک مجموعہ سمر زدہ رقص ۱۹۶۵ء میں دہلی میں شائع ہوا۔ ہندوستان کے تمام بڑے جرائد میں انکی کہانیاں شائع ہوئی ہیں۔ یہ کہانی انگریزی ترجمہ ہے اور اسے اردو میں ترجمہ کے ذریعے آئینہ الی اچھی کہانیوں میں ایک اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

جب بھی میرا مود بگڑتا، میں اپنے والدین کی وراثت کا تذکرہ لے بیٹھتا اور پھر لالہ جی مجھے چھوٹے پن کا طعنہ دے کر خاموش کر دیتے۔ لالہ جی کے بارے میں اس تمہید کا مقصد یہ تھا کہ میں آپ پر لالہ جی کی مکمل شخصیت ظاہر کر دوں۔ تمام بزرگوں کے باوجود لالہ جی نے جس طرح معاشرے میں اپنا مقام بنائے رکھا تھا، اس پر میں انھیں داد دے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

لالہ جی کی ایک بیوی اور تین بیٹیاں تھیں۔ بیوی بے چاری بہت نیک اور سیدھی سادی تھی مگر روکیاں بالکل اپنے باپ پر گئی تھیں، اور انہی کی طرح اکھڑ بڑبڑا اور غور تھیں۔ لالہ جی نے ان تینوں کے نام اپنے نام کے پہلے حرف سے شروع ہونے والے رکھے تھے۔ بڑی کا نام دیا منتی تھا۔ بمبعل در پردی اور چھوٹی دیا واتی تھی، امدان کی عمریں بالترتیب بیس، اٹھارہ اور پندرہ برس کی تھیں۔ تینوں بہنیں بھی عجیب طبیعت کی مالک تھیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے اتنی گھلی ملی ہوئی تھیں کہ انھوں نے کبھی کسی چوتھے شخص سے تعلق بڑھانے کی کوشش ہی نہیں کی، یہی وجہ تھی کہ کالج میں ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔ وہ اپنے والد کی شخصیت سے اتنی متاثر تھیں کہ رہنمائی کے لیے ہمیشہ انہی کی جانب دیکھتی رہتی تھیں۔ لالہ جی ان کے نزدیک ایک مکمل مرد اور مثالی انسان تھے۔ وہ ہمیشہ انہی کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں اور انہی کی باتیں سن کر خود کو قابل اور دوسروں سے بڑھ چڑھ کر سمجھتی تھیں۔ میں نے ان بہنوں کی باتوں سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ اپنے خاندان کو دیوتاؤں کا گھرانہ تصور کرتی تھیں۔ ایسا گھر جہاں کبھی کوئی مشکل یا پریشانی نہیں پچک سکتی تھی۔ بہر حال مجھے اس دن بہت خوشی ہوئی جب لالہ جی کی سب سے بڑی لڑکی نے اپنے سربھاری ہونے کی اطلاع سے مجھے گھر پر جیسے ہی مگرا دیا۔ یہ خبر بہت جلد ہم لوگوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ اس لیے کہ جب لالہ جی اپنی بیوی کے ساتھ دیانتی کو ایک کمرے میں لے گئے تو باہر سے سب کچھ بہ آسانی سنا جاسکتا تھا۔

دونوں چھوٹی مہینیں پریشانی کے عالم میں روئے گئیں۔ وہ ابھی سی بلوغ تک پہنچ رہی تھیں۔ یہ پورا معاملہ ان سے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور انھیں کم از کم اس کی سنگینی کا 76 سالیں۔۔۔ دیا گیا انھیں اتنا بہر حال معلوم ہو گیا کہ دیاننتی امید سے تھی۔

”کون ہے وہ؟“ اندر لالہ جی کی آواز گونجی، جس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ لالہ جی اپنے سوال کے جواب میں خاموشی برداشت کرنے کے عادی نہیں تھے، وہ دوبارہ گرجے۔ ”دیاننتی! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا... بتا اس کا باپ کون ہے؟“ دوبارہ کوئی جواب نہ ملا۔

دیاننتی لازمی طور پر اپنے باپ کی طرح ضدی اور خود سر تھی۔ وہ کسی قسم کا اعتراف کر کے اپنے گھٹیا پن کا ثبوت نہیں دینا عاہدہ کرتی تھی۔ لالہ جی ہاتھ اٹھانے سے بھی باز نہیں آئے۔ ماں حسب معمول روئے پٹینے لگی لیکن دیاننتی کے ہونٹ جیسے سل گئے تھے، منہ پر تلے پڑ گئے تھے۔

لالہ دار کا داس چکر کر رہ گئے... ان کی زندگی میں یہ بھونچال کہاں سے اور کیسے آگیا؟ اس بات کی تو میں بھی گواہی دے سکتا ہوں کہ انھوں نے اپنی بیٹیوں کی تربیت بہت سخت طریقے سے کی تھی۔ انھوں نے ان کی ایک ایک حرکت پر کڑی نظر رکھی اور واقعی ایک ذمے دار باپ کی طرح اپنا فرض نبھایا تھا۔ ان کی بیٹیوں نے بھی کبھی باپ کو مالوس نہیں کیا تھا لیکن لالہ جی بھلا کہاں تک نظر رکھتے؟ ان کی نظروں سے اوجھل ہو کر دیاننتی بھی جوانی اور فطرت کی حشر سامانیوں کے آگے گھٹنے نہ کیٹنے پر مجبور ہو گئی۔

اچانک دروازہ... یہ دیووں کا... نکلے رام، رام، رام!

یہ لالہ جی کی صدقہ حقیقت... یہ پتہ تھا۔ وہ موقع مومن۔ خود کو مذہب پرست ظاہر کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے کبھی کبھار کسی بھوتی کے آگے سر جھکا کر دوزخ بھی پائے جاتے تھے۔ انھوں نے مسکرت کے بھی چند الفاظ سیکھ رکھے تھے تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر کر سکیں کہ وہ اپنے دیوتا سے اسی کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔

کمرے سے باہر نکلا۔۔۔ ماسے ان کی سر جھری پر پڑا اور چپا جگے! آریہاں کیا کر رہے؟ وہ چلتے ”چل جا یہاں سے... چوری چھپے ہماری باتیں سنتا ہے؟“

میں بے اثر رہے سزائی پر شدید احتجاج کرتا لیکن مجھے لالہ جی کی پریشانی کا اندازہ تھا اس لیے کچھ کہنے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

اس رات کسی نے کھانا نہیں کھایا۔ ہر طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لالہ جی ایک کرسی کے ہتھے پر اپنا ہاتھ رکھے اور اس ہاتھ پر اپنی ٹھوڑی لگائے کسی گہری سوج میں گم تھے۔ ان کی بیوی قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں اور چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھیں۔ میں نے دیاننتی کو غسل خانے کی طرف جانے دیا دیکھا اور بڑھ کر اس کی ہمت بندھانے کا ارادہ کیا لیکن اس نے مجھے دیکھ کر ہلکی سے غسل خانے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ دوسری دونوں مہینیں صحن میں چار پائٹوں پر پڑی سرگوشیوں میں مصروف تھیں۔

میں نے یہ سمجھا کہ زندگی میں پہلی بار ایک ایسا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے جسے لالہ جی حل نہیں کر سکیں گے لیکن یہ محض میری خام خیالی ثابت ہوئی۔

چند دن بعد لالہ جی کے دوستوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ دیاننتی کے بچپن کے کمرہ ہو گئے تھے اور لالہ جی اس سلسلے میں بہت پریشان تھے۔ یہ وضاحت کر دی گئی تھی کہ کوئی خاص پریشانی کی بات نہیں ہے بس تبدیلی آب و ہوا کی ضرورت تھی چنانچہ جب لالہ جی نے دیاننتی کو اس کی ماں کے ساتھ منی تال بھیج دیا تو کسی نے بھی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ اور جب ماں بیٹی کا قیام طویل کھینچ گیا تو بھی کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اس دوران میں دو ایک بار لالہ جی بھی منی تال کا چکر لگا آئے۔ اور ایک بار تو خود ان کا قیام خاصا طویل ہو گیا تھا مجھے اور دونوں بہنوں کو یہی بتایا گیا تھا کہ دیاننتی اب بالکل ٹھیک ٹھاک ہے لیکن کبھی ہم لوگوں کو منی تال بھیجنے کا تذکرہ نہیں ہوا۔

سات ماہ بعد جب وہ لوگ نئی دہلی لوٹے تو دیاننتی کی صحت واقعی قابل رشک تھی۔ اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی تھی، اور اس کا جسم اب کچھ بھرا بھرا دکھائی دینے لگا تھا۔ سب کی متفقہ رائے یہ تھی کہ تبدیلی آب و ہوا نے واقعی دیاننتی پر خوش گوار اثر ڈالا ہے۔ ایک آدھ قریبی دوست نے تو یہ مشورہ دیا کہ اب دوسری دو بہنوں کو بھی منی تال بھیجنا چاہیے اس بظاہر پر غلوص مشورے کی کرب ناک چٹھیں سے صرف گھر کے افراد متاثر ہوئے۔ مجھے اس پورے واقعے پر بہت افسوس تھا۔ میں نے بار بار دیاننتی سے اظہار ہمدردی کا ارادہ کیا مگر وہ مجھے ہمیشہ ٹال گئی... میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا کیونکہ مجھے اس کی پریشانی اور بھینپ کا بخرونی احساس تھا۔

لالہ دار کا داس نے جس خوبصورتی سے یہ مسئلہ حل کیا تھا اس پر وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ ایک بار پھر ان کے جھکے ہوئے کان سے ادا پڑا گئے اور عقلیں پھر ان کے زوردار دعووں سے گونجنے لگیں۔ مگر لالہ جی بہر حال اب دیاننتی کی طرف سے ٹکروں سے گزر رہے تھے۔ وہ جلد از جلد اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ سب تک

میں نے دینا چاہتے تھے۔ رہ سکے دلہن کی رخصتی کے بعد لالہ جی نے کمرے میں لوٹ کر خود کو آرام کر سی

پر گرا دیا۔ ان کے چہرے پر بلا کا سکون اور اطمینان تھا۔ وہ اپنی، اپنے گھر کی اور اپنی بیٹی کی نیک نامی بچانے میں آخر کامیاب ہو گئے تھے۔ اس وقت ان کے چہرے سے کسی بادشاہ کا سما اعتماد چھلک رہا تھا... ایک ایسا بادشاہ جو اپنی زندگی میں ناقابلِ تخریر ہوا!

پتہ نہیں یہ بادشاہ کیا کرتا اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کی ناموس غارت کرنے کی کوشش کرنے والا اسی کے سامنے کھڑا ہے... مجھے اس کا قلبی رنج تھا کہ میں لالہ جی سے پورا بد لہینے میں ناکام رہا تھا۔ میں نہ صرف یہ کہ بد نہیں لے سکا تھا بلکہ مجھے ایک طرح کا احساسِ شکست بھی تھا۔ شادی کی تقریبات میں شرکت کے لیے دو درو شہروں سے بے شمار لوگ آئے تھے جن میں سے اکثر لالہ جی کے گھر مقیم تھے۔ یہاں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے درو پدی نے اپنی چار پائی کھسکا کر میری چار پائی کے برابر لگا دی۔

دن بھر کے ہنگاموں کے بعد لوگ تھکے تھے سو رہے تھے لیکن میں انتقام کی آگ میں منگ رہا تھا۔ جب مجھے سب لوگوں کے سو جانے کا یقین ہو گیا تو میں نے ہاتھ بڑھا کر برابر کی چار پائی پر پڑے ہوئے بے خواب، اچھوٹے اور گدا زدن کو جگانے کی کوشش کی... بسا ہٹ ہوئی... یقیناً درو پدی جاگ رہی تھی لیکن اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی... اور تھوڑی دیر بعد چار پائیوں کی قربت نے اس گھر میں ایک اور بھونچال کا بیج بو دیا۔

وہ دن بڑا یادگار تھا جب دیانستی کی شادی ہوئی۔ سینکڑوں کی تعداد میں مہمان مدعو تھے، پوری کوٹھی رنگ برنگے نقشوں سے سجائی گئی تھی۔ اور غالباً زندگی میں پہلی بار لالہ جی نے میری کوئی خواہش پوری کی تھی۔ میں نے ان سے گراموفون ریکارڈنگ کرنے کی اجازت چاہی تھی جو انھوں نے معمولی سی پنکچا ہسٹ کے بعد مرحمت فرمادی تھی۔ اس روز انھوں نے مجھے نئے کپڑے پہن کر مہمانوں کا استقبال کرنے کی بھی تاکید کی تھی۔

لالہ جی خود ایک کمرے سے دوسرے کمرے کا چکر لگا رہے تھے تاکہ ہر کام بخوبی پایہ تکمیل کو پہنچے۔ لوگوں نے لالہ جی پر تہنیت اور مبارک باد کی بارش کر دی کیونکہ وہ دیانستی کے لیے ایک نہایت وجیہ اور خوب رو سکر دی افسر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس کی خالص تنخواہ چھ سو روپے ماہانہ تھی!

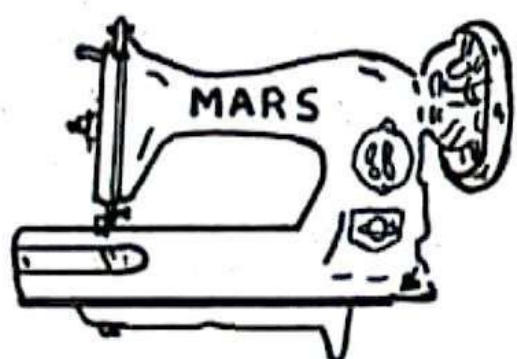
لالہ جی لوگوں کے چہروں پر کھلتی ہوئی مسکراہٹیں دیکھ دیکھ کر آسمانوں میں اڑے جا رہے تھے۔ وہ مجھے اور دوسرے لوگوں کو بلا کر بار بار تاکید کرتے تھے کہ مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

دیانستی کی رخصتی کے وقت عورتوں کا وہی رسمی رونا پٹنا ہوا لیکن لالہ جی نے بڑے پُر وقار انداز میں بیٹی کو محض ایک بار سینے سے لگانے پر اکتفا کیا اور کہا۔ ”مدھارو بیٹی! لوگ اس حوصلہ مند باپ کے پُر وقار انداز کی داد دیے بغیر نہ

پاکستان کی مایہ ناز مارسس سلائی مشین

رعائتِ قیمت پر دستیاب ہے

جھیل کے سینکھے، ریڈیو
ٹیلی ویژن، ریفریجریٹر



مارسس سلائی مشین

۲۲۱۷۷۱
مارسس سلیونگ مشین مکیننی بند روڈ کراچی۔ فون
برائے: لیاقت آباد ڈاکخانہ فون (۲) ۲۱۹۸۸۱ بالمقابل ٹیلی فون کراچی
ایچ بی سی: پیریڈی اسٹریٹ صدر کراچی۔ فون ۱۲۹۲۵